قسط دوم:

کتاب الرسالہ

محمد مبشر نذیر

اجماع، قیاس، اجتہاد اور اختلاف رائے

مسلمانوں کے ہاں اگر قرآن و سنت کے کسی حکم سے متعلق اتفاق رائے پایا جائے گا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے تو اس اجماع کو قبول کیا جائے گا اور یہ پوری طرح حجت ہے۔

ہر عالم دین حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر اجتہاد اور قیاس کرنے کا مکلف ہے۔جو معلومات اس سے پوشیدہ، وہ ان کی بنیاد پر اجتہاد اور قیاس کرنے کا مکلف نہیں ہے کیونکہ یہ اس کی استطاعت سے باہر ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک عالم کو اپنے علم میں اضافے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

اجتہاد دینی احکام معلوم کرنے کے عمل کا نام ہے۔اگر کسی بارے میں قرآن و سنت میں کوئی واضح حکم نہ پایا جائے تو پھر اجتہاد کیا جائے گا اور درست بات تک پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔

اجتہاد میں اختلاف رائے ہونا ممکن ہے۔ہر مجتہد جب دستیاب معلومات کی بنیاد پر اجتہاد کرے گا تو اس کے نتائج دوسرے عالم کے نتائج سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ان میں سے ہر عالم اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف ہو گا اور ان پر دوسرے کی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری نہ ہو گا۔

اجتہاد و قیاس صرف ایسے عالم کو کرنا چاہیے جو (کتاب و سنت کے) احکام سے اچھی طرح واقف ہو اور ان احکام سے مشابہت تلاش کرنے میں عقل سے کام لینا جانتا ہو۔

اس شخص کے سوا کسی اور کو قیاس نہیں کرنا چاہیے جو قیاس کی بنیادوں سے پوری طرح واقف ہے۔قیاس کی بنیاد کتاب اللہ کے احکام، اس کے فرائض، اس میں سکھائے گئے آداب، اس کے ناسخ و منسوخ احکام، اس کے عمومی اور خصوصی احکام، اور اس کی دی ہوئی ہدایات ہیں۔

اجتہاد کرتے ہوئے کتاب اللہ کے کسی حکم کی اگر تاویل و توجیہ کی ضرورت ہو تو ایسا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں کیا جائے گا۔اگر سنت نہ ملے تو مسلمانوں کے اجماع کی روشنی میں ورنہ قیاس کے ذریعے۔

کوئی شخص قیاس کرنے کا اہل اس وقت تک نہیں ہے جب تک کہ وہ سنت، اسلاف کے نقطہ ہائے نظر، لوگوں کے اجماع، ان کے اختلاف، اور عربی زبان سے پوری طرح واقف نہ ہو۔قیاس کرنے والے کو صحیح العقل ہونا چاہیے اور ایسا اس وقت ہو گا جب وہ بظاہر مشابہ امور میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔وہ ثبوت کے بغیر جلد بازی میں رائے قائم کرنے والا نہ ہو۔وہ اپنے سے مختلف آراء کو بغیر کسی تعصب کے سننے والا ہو۔

انسان کا جھکاؤ ایک رائے کی طرف زیادہ نہیں ہونا چاہیے یہاں تک کہ اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ وہ جو رائے اختیار کرنے جا رہا ہے وہ کس وجہ سے دوسری رائے جسے وہ ترک کر رہا ہے سے زیادہ مضبوط ہے۔

اگر وہ کسی بات کو سمجھے بغیر محض یادداشت کے سہارے محفوظ کئے ہوئے ہے تو اسے بھی قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ معانی سے واقف نہیں ہے۔

اگر ایسا شخص جس کی یادداشت اچھی ہے لیکن اس کی عقل میں کمی ہے یا وہ عربی زبان سے اچھی طرح واقف نہیں تو اس کے لئے قیاس کا استعمال بھی درست نہیں کیونکہ وہ ان آلات (Tools) یعنی عقل اور عربی زبان کو صحیح طرح استعمال نہیں کر سکتا جن کی قیاس میں ضرورت پڑتی ہے۔
اگر اللہ تعالی نے کسی چھوٹی چیز سے منع فرمایا تو اس پر قیاس کرتے ہوئے اس سے بڑی چیز کو بھی حرام قرار دیا جائے گا۔مثلاً بدگمانی پر قیاس کرتے ہوئے تہمت لگانے، عیب جوئی کرنے اور کسی عزت اچھالنے کو حرام قرار دیا جائے گا۔یہ قیاس کی مضبوط ترین شکل ہے۔

اگر کوئی حکم استثنائی صورتحال کے لئے دیا گیا ہو تو اسے صرف اسی صورت تک محدود رکھا جائے گا اور اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

جو احکام کتاب و سنت میں واضح طور پر بیان فرما دیے گئے ہیں ان سے اختلاف کرنا کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں ہے۔دوسری قسم کے معاملات وہ ہیں جس میں کسی آیت یا حدیث کی مختلف توجیہات ممکن ہوں، اس میں قیاس کیا جا سکتا ہو اور ایک توجیہ یا قیاس کرنے والا عالم ایک معنی کو اختیار کر لے اور دوسرا دوسرے معنی کو، تو ایسا اختلاف جائز ہے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں کسی مسئلے پر مختلف نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہوں تو اس نقطہ نظر کو اختیار کیا جائے گا جو کتاب اللہ، یا سنت، یا اجماع کے زیادہ قریب ہے یا قیاس کی بنیاد پر جو زیادہ صحیح ہے۔

کتاب الرسالہ کے بعد

کتاب الرسالہ کے بعد اصول فقہ کے فن کو مدون کرنے کا دروازہ کھل گیا۔امام احمد بن حنبل (وفات 233ھ) نے "ناسخ و المنسوخ" اور "السنۃ" کے نام سے دو کتب لکھیں۔داؤد ظاہری (وفات 270ھ) نے اس موضوع پر متعدد کتب تصنیف کیں۔حنفی عالم عیسی بن ابان (وفات 220ھ) نے "خبر الواحد، اثبات القیاس" نے نام سے کتاب لکھی۔اس کے بعد اصول فقہ پر تصانیف کا سلسلہ تیز ہو گیا۔قدیم دور میں لکھی گئی کتب کی شروحات لکھی گئیں۔مختلف نقطہ نظر رکھنے والے اہل علم نے ان پر تنقید لکھی۔اصول فقہ پر کتب لکھنے کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔مختلف مسالک کے اہل علم میں اصولوں کی حد تک ایک عمومی اتفاق رائے پایا جاتا ہے البتہ بعض تفصیلات میں ان کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔

حصہ اول: تعارف

یہ حصہ کتاب کے تعارف پر مشتمل ہے۔اس حصے میں امام شافعی نے یہ اصول بیان کیے ہیں:

- دین کے احکام "البیان" ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے اولین مخاطبین پر بالکل واضح تھے۔
- اللہ تعالی نے اپنے بعض احکام کو اپنی کتاب کے متن میں واضح الفاظ میں بیان کیا ہے اور ان کا مطلب بالکل واضح ہے۔
- بعض احکامات قرآن مجید میں بیان تو کیے گئے ہیں لیکن ان کی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔

• بعض احکامات قرآن میں بیان نہیں کیے گئے بلکہ ان کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دیا ہے۔ قرآن میں ان کے لئے اجمالاً یہ کہہ دیا ہے کہ رسول کی اطاعت و اتباع کی جائے۔

• بعض ایسے احکامات بھی ہیں جن میں اجتہاد کرنے اور عقل استعمال کرنے کا حکم دے کر ان کے تعین کو امت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

• اجتہاد، قیاس کے ذریعے کیا جائے گا۔اس میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہونا ممکن ہے۔اگر ان میں اجتہاد کرتے ہوئے اتفاق رائے ہو جائے تو اسے "اجماع" کہتے ہیں۔

• دینی علم کے دو حصے ہیں۔ایک تو وہ دینی علم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے سے عام لوگوں سے عام لوگوں کو تواتر سے منتقل ہوتا آ رہا ہے۔اسے حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔جو ایسا نہ کرے گا وہ گناہ گار ہو گا۔دینی علم کا دوسرا حصہ وہ ہے جو خاص ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔اسے حاصل کرنا علماء کی ذمہ داری ہے۔اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کر دیتے ہیں تو باقی لوگ گناہ گار نہیں ہوتے۔

باب1: تعارف

قدیم دور میں مسلمانوں کے ہاں یہ رواج رہا ہے کہ وہ کسی کی کتاب کو پیش کرتے ہوئے ان تمام ذرائع کا ذکر کرتے جن سے گزر کر وہ کتاب ان تک پہنچی ہے۔ربیع بن سلیمان، امام شافعی علیہما الرحمۃ کے اہم ترین شاگردوں میں سے ہیں۔اس دور میں کتاب کو لوگوں تک پہنچانے کے کئی طریق ہائے کار رائج تھے:

ایک عالم کتاب لکھتا اور اپنے شاگردوں کو باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا۔

عالم کتاب کی املاء اپنے شاگردوں کو کرواتا۔ان کے نسخوں سے مزید نسخے تیار کیے جاتے اور پھیلا دیے جاتے۔

شاگرد اپنے استاذ کی مجلس میں بیٹھ کر، پوری کاروائی اور مکالمے نوٹ کرتا۔اس کے بعد وہ یہ پورا مواد استاذ کو تصحیح کے لئے پیش کرتا اور انہیں استاذ کی اجازت کے ساتھ دوسرے لوگوں تک پہنچا دیتا۔

کتاب الرسالہ کے اس نسخے کے بارے میں معلوم ہے کہ اس کی تصنیف کے لئے تیسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ربیع بن سلیمان نے امام شافعی کی تحریروں اور ان کی محافل میں ہونے والی گفتگو کو تحریری صورت میں ریکارڈ کیا۔مقدمہ میں

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس وقت نسل انسانیت کی طرف مبعوث فرمایا جب انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ان میں سے ایک تو اہل کتاب تھے، جنہوں نے شریعت میں کچھ تبدیلیاں کیں اور اللہ تعالی کے بارے میں کفریہ عقائد اختیار کئے۔انہوں نے غلط چیزیں خود اپنی طرف سے ایجاد کیں اور انہیں اس سچائی کے ساتھ خلط ملط کر دیا جو اللہ تعالی نے ان پر نازل فرمائی تھی۔اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ان کے کچھ غلط عقائد کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ مِنهُمْ لَفَرِيقاً يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔

ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو (اللہ کی) کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو کہ وہ جو کچھ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب کی عبارت ہے جبکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہے۔وہ کہتے ہیں، "یہ تو خدا کی طرف سے ہے" جبکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا۔وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔(آل عمران 3:78)

اللہ تعالی مزید ارشاد فرماتے ہیں:

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ۔

ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں، "یہ تو خدا کی طرف سے ہے" تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کر سکیں۔ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا ہوا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لئے باعث ہلاکت ہے۔(البقرہ 2:79)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ۔ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلاَّ لِيَعْبُدُوا إِلَهاً وَاحِداً لا إِلَهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

یہودی کہتے ہیں، "عزیر اللہ کا بیٹا ہے" اور نصرانی کہتے ہیں کہ "مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔"یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے۔خدا کی مار ان پر یہ کہاں سے

دھوکہ کھا رہے ہیں۔انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا اور اسی طرح مسیح بن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔وہ خدا جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور وہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔(التوبہ 9:30-31)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيباً مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلاً۔ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيراً۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا تھا اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ توہم پرستی اور شیطانی اعمال کو مانتے ہیں اور (رسول کا) انکار کرنے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اہل ایمان کی نسبت تو یہی زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے تم اس کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔(النساء 4:51-52)

دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط عقیدہ اختیار کیا اور ایسی چیزیں تخلیق کر ڈالیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی تھی۔انہوں نے اپنے ہاتھ سے پتھر اور لکڑی کے بت اور خوش کن تصاویر بنائیں، اپنی طرف سے ان کے نام گھڑے، انہیں دیوتا قرار دیا اور ان کی پرستش شروع کر دی۔جیسے ہی وہ کسی اور چیز سے متاثر ہوئے تو انہوں نے پہلے دیوتا کو پرے ہٹا کر اپنے ہاتھوں سے دوسری چیز کا بت بنا ڈالا اور اس کی عبادت شروع کر بیٹھے۔یہ لوگ عرب کے مشرکین تھے۔اہل عجم نے بھی اسی طریقے سے اہل شرک کی پیروی کی۔ مچھلیاں ہوں یا درندے، ستارے ہوں یا آگ، وہ جس چیز سے بھی متاثر ہوئے اسے پوجنا شروع کر دیا۔

انہی اہل شرک کے نظریات کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے ذکر فرمایا ہے اور ان کے اقوال کو اس طرح سے نقل کیا ہے۔

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ۔

بلکہ یہ لوگ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا تو ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ (الزخرف 43:22)

وَقَالُوا لا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلا تَذَرُنَّ وَدّاً وَلا سُوَاعاً وَلا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْراً۔ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيراً۔

انہوں نے کہا، ہر گز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔ یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑو۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔(نوح 71:23-24)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقاً نَبِيّاً۔ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئاً۔

اس کتاب میں ابراہیم کا تذکرہ کرو۔ بے شک وہ ایک راستباز انسان اور نبی تھے۔ جب انہوں نے اپنے والد سے کہا، "ابا جان! آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ ہی آپ کو کسی چیز سے مستغنی کر سکتی ہیں؟" (مریم 19:41-42)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ۔ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ۔ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَاماً فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ۔ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ۔ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ۔

انہیں ابراہیم کا واقعہ سناؤ جب انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے پوچھا تھا، "یہ کیا چیزیں ہیں جنہیں تم پوجتے ہو۔"انہوں نے جواب دیا، "کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں لگے رہتے ہیں۔"ابراہیم نے پوچھا، "کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تمہیں کچھ نفع و نقصان پہنچاتے ہیں۔"(الشعراء 26:69-73)

اس گروہ کو اپنے احسانات یاد دلاتے ہوئے، اور انہیں ان کی عام گمراہیوں سے خبردار کرتے ہوئے اور اہل ایمان پر اپنی خاص نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

> اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ایک گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے، اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے واضح کرتا ہے تا کہ تمہیں (ان علامتوں سے) اپنے لئے ہدایت نظر آ جائے۔(آل عمران 3:103)

محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذریعے سے ان لوگوں کے نجات یافتہ ہونے سے قبل یہ لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر غلط عقائد کا شکار تھے۔ان کی سب سے بڑی غلط فہمیوں میں یہ چیز شامل تھی کہ یہ لوگ خدا کے بارے میں کفر کرتے تھے اور وہ افعال ایجاد کرتے تھے جن کی اس نے اجازت نہیں دی ہے۔اللہ تعالی اپنے بارے میں ان کی کہی ہوئی باتوں سے بہت بلند و برتر ہے۔اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔وہ پاک ہے، تعریف اسی کی ہے اور وہ ہر چیز کا خالق اور پروردگار ہے۔

ان لوگوں میں سے جو بھی زندہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دنیا میں موجود ہے، کام کاج کر رہا ہے، بول رہا ہے لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ وہ خدا کی ناراضی اور اس کی بڑھتی ہوئی نافرمانی میں ہی زندگی بسر کر رہا ہے۔ان میں سے جو بھی مر چکا، جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے الفاظ اور اپنے عمل 1 سے بتا دیا کہ وہ سزا پا رہا ہے۔

جب اللہ تعالی کا قانون پورا ہونے کی مدت مکمل ہوئی تو خدائی فیصلہ اس کے دین کے غلبے کی بنیاد پر ایک زندہ حقیقت بن گیا2۔اس نے برائی کے غلبے کے بعد جسے وہ ناپسند کرتا ہے، (نیک لوگوں کا انتخاب کر کے انہیں زمین پر غلبہ عطا فرمایا۔)اس خدائے بزرگ و برتر نے اپنی آسمانوں کے دروازے کھول کر رحمت برسا دی۔یہ بالکل ہی ایسا معاملہ تھا جیسا کہ پچھلے زمانوں میں اس کا پہلے سے طے شدہ آسمانی فیصلہ نافذ ہوا۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ۔

> لوگ تو ایک ہی امت تھے۔(پھر جب انہوں نے گمراہی اختیار کی تو) اللہ نے اپنے نبیوں کو بھیجا جو انہیں بشارت دینے اور خبردار کرنے والے تھے۔(البقرة 2:213)

اپنی وحی نازل کرنے اور اپنا پیغام (دنیا تک) پہنچانے کے لئے اللہ تعالی نے جس ہستی کا انتخاب کیا، جسے تمام مخلوقات پر فضیلت دی گئی، جس پر رحمت کے دروازے کھولے گئے، جس پر نبوت ختم کر دی گئی، پہلے بھیجے گئے تمام انبیاء کے برعکس جس کی نبوت کو پوری دنیا کے لئے عام کر دیا گیا، جس کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ اس دنیا میں بلند کیا گیا، جو آخرت میں شفاعت کرنے والوں کے بھی شفیع ہیں، جو اس کی مخلوق مین انفرادی و اجتماعی طور پر سب سے افضل ہیں، جن سے وہ دین و دنیا میں راضی ہوا، جن کا نسب اور شہر سب سے بہتر ہے وہ اس کے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں اور پوری نسل انسانیت کو خاص و عام نعمتوں کے ذریعے دین و دنیا کے فوائد سے بہرہ مند فرمایا۔اسی کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔

دیکھو، تمہارے پاس ایک ایسا رسول آئے ہیں جو خود تمہی میں سے ہیں۔ تمہارا نقصان میں پڑنا ان پر شاق ہے۔ تمہاری فلاح کے وہ حریص ہیں اور ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفقت فرمانے والے اور نہایت مہربان ہیں۔(التوبۃ 9:128)

اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حکم دیا کہ "لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا" کہ "آپ شہروں کی ماں اور اس کے گرد، نواح کے لوگوں کو خبردار کریں۔"شہروں کی ماں سے مراد مکۃ المکرمۃ ہے جو آپ اور آپ کی قوم کا علاقہ تھا۔اس کے علاوہ اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا کہ " وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" یعنی "آپ اپنے قریب ترین رشتے داروں کو خبردار کریں۔"مزید فرمایا، " وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ" یعنی " آپ اور آپ کی قوم کے لئے یہ تو ایک یاد دہانی ہے اور لازما تم لوگوں سے مواخذہ کیا جائے گا۔"

سفیان بن عیینہ نے ابن ابی نجیح سے روایت کی کہ مجاہد سے پوچھا گیا، "محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کس قوم سے تعلق رکھتے تھے؟" جواب ملا، "عرب قوم سے"۔ پھر پوچھا گیا، "عربوں کے کس قبیلے سے"۔انہوں نے جواب دیا، "قریش سے۔"

اس آیت کے بارے میں مجاہد کی یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس کی مزید وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قوم اور آپ کے قریبی رشتے داروں کو (خدا کے عذاب سے) خبردار کرنے کو کہا اور اس حکم میں بعد میں آنے والی تمام نسل انسانیت کو شامل کر لیا۔اس نے قرآن کے ذریعے سے اپنے رسول کا تذکرہ پوری دنیا میں بلند کر دیا۔مزید برآں، اللہ تعالی نے اپنے اس پیغام میں خبردار کرنے کے لئے آپ کی قوم کا بطور خاص ذکر فرمایا۔قرآن کے بعض جلیل القدر علماء نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے بنو عبد مناف! اللہ تعالی نے مجھے اپنے قریبی رشتے داروں کو (اس کے مواخذے سے) خبردار کرنے کا حکم دیا ہے اور تم میرے قریب ترین رشتے دار ہو۔"

سفیان بن عینیہ، ابن نجیح اور مجاہد کے حوالے سے مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے۔ مجاہد قرآن مجید کی آیت " وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (یعنی ہم نے آپ کا تذکرہ بلند کر دیا)" کی تشریح بیان کر رہے تھے۔ کہنے لگے، "اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ جہاں بھی میرا ذکر ہو گا، (اے محمد!) تمہارا بھی ذکر ہو گا۔"(مثال کے طور پر کلمہ شہادت میں ہم یہ کہتے ہیں کہ) "میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور محمد اس کے رسول ہیں۔"

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا اقرار کرنے اور نماز کے لئے اذان دینے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت، اچھے کام کرتے ہوئے اور برے کاموں سے بچتے ہوئے بھی آپ کا نام خدا کے نام کے ساتھ لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ آپ کا تذکرہ وہی کرتے ہیں جو آپ کو یاد رکھتے ہیں اور آپ کے ذکر سے وہی دور بھاگتے ہیں جو غفلت اختیار کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر تمام اولین و آخرین میں سب سے بڑھ کر رحمت نازل فرمائے اور آپ کو ان تمام نعمتوں سے عالیشان نعمتیں عطا فرمائے جو اس نے اپنی کسی بھی مخلوق پر نازل کیں۔ اس درود کے توسط سے اللہ ہم سب کو نیکی اور تقویٰ اس سے بڑھ کر نصیب کرے جو اس نے اپنی امت میں سے کسی کو بھی عطا کیا ہو۔ سلام ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جزا کسی بھی سابق پیغمبر کو عطا کئے وہ اس سے بڑھ کر وہ آپ کو عطا فرمائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہلاکت سے نکالا اور ہمیں اس امت کا حصہ بنایا جو اس کے پسندیدہ دین کی پیروی کرنے کے باعث انسانوں میں سب سے بہترین ہے۔ اسی دین کے باعث اس نے فرشتوں اور دیگر مخلوقات میں سے اس نے ہمارا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں جن سے ہمیں فائدہ پہنچا یا ہم کسی نقصان سے محفوظ رہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی وجہ سے ہم پر نازل فرمائیں۔

آپ ہر فائدے کے لئے ہمارے راہنما ہیں اور ہر اس ہلاکت اور برائی سے ہمیں بچانے والے ہیں جو ہدایت کے راستے سے دور لے جاتی ہو۔ آپ ہلاکت کے راستے سے ہمیں خبردار کرنے والے ہیں۔ ہدایت اور اس کے بارے میں متنبہ کرنے میں آپ ہماری خیر خواہی پر قائم ہیں۔ اے اللہ! تیری رحمتیں آپ اور آپ کے خاندان پر

اسی طرح نازل ہوں جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کے اہل و عیال پر نازل ہوئیں۔بے شک تو ہی تعریف کے قابل اور عظمت والا ہے۔

اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اپنی کتاب نازل فرمائی جس میں اس نے ارشاد فرمایا:

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ، لا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے، باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ ایک نہایت ہی حکمت و دانش رکھنے والے اور قابل تعریف (خدا) کی نازل کردہ ہے۔(حم سجدہ 41:41-42)

اسی کتاب کے ذریعے اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیروکاروں کو گمراہی اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر انہیں روشنی اور ہدایت کی طرف راہنمائی فرمائی۔اس نے اس کتاب میں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ کیا کام کرنے کی اجازت ہے اور کن کن چیزوں سے اس نے منع فرمایا ہے۔وہی بہتر جانتا ہے کہ انسانوں کے دنیا اور آخرت میں فائدے کے لئے کیا چیز بہتر ہے اور کیا چیز نقصان دہ؟

اس نے ان کی اطاعت کا امتحان اس طرح سے لیا کہ ان پر کچھ عقائد و اعمال کا بجا لانا لازم کر دیا اور کچھ کاموں سے اس نے انہیں روک دیا۔اس اطاعت کا بدلہ وہ انہیں جنت کی ابدی زندگی کی صورت میں دے گا اور انہیں سزا سے بچائے گا اور اپنی لامحدود نعمتیں ان پر تمام کر دے گا۔اس نے انہیں یہ بتا دیا ہے کہ نافرمانی کی صورت میں انعام یافتہ لوگوں کے برعکس وہ سزا بھی دے گا۔

اللہ تعالی نے لوگوں کو سابقہ اقوام کے تجربات سے توجہ دلائی ہے۔ان لوگوں کے پاس مال و دولت اور اولاد کی فراوانی تھی۔یہ لوگ طویل عرصہ زندہ رہتے اور اپنے پیچھے یاد رہ جانے والے کارنامے چھوڑ جاتے۔یہ لوگ اس دنیا کی زندگی سے خوب لطف اندوز ہوئے لیکن جب اللہ تعالی کا فیصلہ آیا تو موت نے اچانک انہیں آلیا اور وہ اسی زندگی کے اختتام پر اللہ تعالی کے عذاب کا شکار ہو گئے۔

اس طریقے سے اللہ تعالی نے ان لوگوں کو بعد والوں کے لئے واضح طور پر باعث عبرت بنا دیا گیا تاکہ وہ اس روشن نشانی کو سمجھتے ہوئے اس وقت کے آنے سے پہلے ہی غفلت سے جاگ اٹھیں، وہ وقت آنے سے پہلے نیک عمل کر لیں نہ تو توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی فدیہ لے کر کسی کو چھوڑا جائے گا۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَراً وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ)۔

جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے عمل کا پھل حاضر پائے گا خواہ اس نے بھلائی کی ہو یا برائی۔ اس دن ہر انسان ہی تمنا کرے گا کہ کاش! ابھی یہ دن بہت دور ہوتا۔۔۔(ال عمران 3:30)

جو کچھ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کتاب میں نازل فرمایا ہے وہ اس کے وجود اور اس کی رحمت کا ثبوت ہے۔ جو بھی اس بات کو جانتا ہے، وہ واقعتاً علم رکھتا ہے اور جو اس بات سے ناواقف ہے، وہ واقعتاً جاہل ہی ہے۔ چونکہ علم کے معاملے میں لوگ مختلف طبقات پر مشتمل ہیں اس لئے اس حوالے سے ان کے درجات میں بھی فرق ہے۔

جو بھی علم کی طلب اپنے اندر رکھتا ہے، اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے علم میں اضافے کے لئے اپنی ہر ممکن توانائی صرف کرے۔ اس راہ میں آنے والی ہر مشکل پر صبر سے کام لے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا علم حاصل کرنے کے لئے خلوص نیت سے جدوجہد کرے خواہ دین کا یہ علم اللہ کی کتاب سے حاصل ہو یا اس سے استدلال و استنباط کے ذریعے حاصل ہو۔ طالب علم اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتا رہے کیونکہ اس کی مدد کے بغیر کوئی خیر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جو صاحب علم بھی اس کے احکامات اخذ کرتا ہے، خواہ یہ احکامات اس کے متن سے براہ راست حاصل ہوں یا استدلال و استنباط کے ذریعے اخذ کیے جائیں، اللہ کی مدد اس کے قول و فعل میں اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ دنیاوی اور اخروی زندگی میں نیکی کی روش حاصل ہوتی ہے، شکوک و شبہات دور ہوتے ہیں، عقل و دانش اس کے دل میں گھر کرتی ہے، اور وہ شخص دینی معاملات میں امامت کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بعض احکام تو اس طرح مل جاتے ہیں کہ آیت کا متن صاف صاف کسی حکم کو بیان کر رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات کسی آیت میں بیان کی ہوئی بات سے دوسری بات نکلتی ہے جس پر دلائل قائم کرتے ہوئے حکم کو اخذ کیا جاتا ہے۔ اسے استدلال کہتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ قرآن میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ مرد و خواتین کو اپنی نگاہوں اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا چاہیے۔ یہ حکم نص سے ثابت ہے۔

اسی حکم سے دلیل پکڑ کر یہ اخذ کیا جائے گا کہ لباس اور نشست و برخاست کے کون کون سے طریقے ہیں جو شرم و حیا کے خلاف ہیں اور کون سے ایسے ہیں جو شرم و حیا کے مطابق ہیں۔ اسے استدلال کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جو ہم پر پہلے ہی اپنی رحمتیں نازل فرما رہا ہے، اگرچہ ہم اس کے مستحق نہیں ہیں لیکن پھر بھی ہم اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری کمزوریوں کے باوجود ان نعمتوں کو ہمیشہ جاری رکھے۔ وہی اللہ جس نے ہمیں نسل

انسانیت میں خیر امت کا منصب عطا کیا ہے، ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی اور اپنے نبی کی سنت کا فہم عطا کرے اور ہمارے قول و عمل کو ایسا بنا دے کہ ہم اس کا حق ادا کر سکیں اور ہمیں اس میں مزید کوشش کی توفیق عطا کرے۔

اللہ تعالی کے دین کے ماننے والوں پر کوئی ایسی مصیبت نہیں آتی جس کے بارے میں اسے اللہ کی کتاب سے راہنمائی نہ مل رہی ہو۔اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے:

یہ ایک کتاب ہے جسے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ، ان کے رب کی توفیق سے، اسی خدا کے راستے پر جو بڑا زبردست اور قابل تعریف ہے۔(ابراہیم 14:1)

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔

اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے اتاری گئی ہے تاکہ وہ لوگ اس میں غور و فکر کریں۔(النحل 16:44)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ۔

ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے جو صاف صاف ہر چیز کی وضاحت کرتی ہے۔یہ ہدایت، رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے (خدا کے سامنے) سر تسلیم خم کر رکھا ہے۔(النحل 16:89)

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحاً مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوراً نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔

اور اسی طرح ہم نے اپنی طرف سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے۔اس سے پہلے تمہیں یہ علم نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔مگر ہم نے اس روح کو ایک روشنی بنا دیا ہے جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔بے شک تم سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر رہے ہو۔(الشوری 42:52)

باب2: البیان

"البیان" ایک وسیع اصطلاح ہے جس کے بہت سے معانی ہیں۔ یہ معانی اگر چہ بنیادی طور پر ایک ہی مادے سے نکلے ہیں لیکن ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہیں۔ ان تمام معانی کا ایک مشترک پہلو ہے اور وہ ہے "واضح حکم"۔ یہ حکم ان لوگوں کے لئے بالکل متعین اور واضح تھا جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا۔ اگرچہ ان کی اہمیت یکساں ہے لیکن ان میں سے بعض احکام پر زیادہ زور دے کر انہیں مزید واضح کیا گیا ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ جو لوگ عربوں کی زبان سے ناواقف ہیں، ان کے لئے ان احکام کی وضاحت میں کچھ فرق پیدا ہو جائے۔

اپنے سابقہ احکام کی طرح اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں جو احکامات اپنی مخلوقات پر مجموعی طور پر واضح کیے ہیں اور جن کے ذریعے انہیں اپنی عبادت و اطاعت کی دعوت دی ہے، کچھ اقسام پر مشتمل ہیں:

پہلی قسم احکامات کا وہ مجموعہ ہے جو اس نے اپنی مخلوق پر لازم کیا ہے۔ مثلاً نماز، زکوۃ، حج اور روزہ۔ اس نے کھلے اور چھپے برے کاموں سے منع کیا ہے مثلاً بدکاری، شراب، مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانا۔ اللہ تعالی نے یہ واضح کر دیا ہے کہ وضو کیسے کیا جائے۔ اسی طرح اور بہت سے معاملات ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنی کتاب کے متن میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

دوسری قسم ان احکامات پر مشتمل ہے جنہیں اس نے اپنی کتاب میں فرض تو قرار دیا ہے لیکن ان پر عمل کرنے کے طریقے کی وضاحت اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذریعے کی ہے۔ مثال کے طور پر نمازوں کی تعداد، زکوۃ کی شرح، ان کے اوقات وغیرہ۔ اسی طرح کے مزید احکامات بھی ہیں جو اس نے اپنی کتاب میں نازل فرمائے ہیں۔

تیسری قسم کے احکام وہ ہیں جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے ارشادات یا عمل کے ذریعے متعین کر دیا ہے لیکن ان کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی نص3 نہیں ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت کرنے کا (اجمالی) حکم دے دیا ہے (اور تفصیلات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر چھوڑتے ہوئے) انہیں آپ کے حکم کی طرف رجوع کرنے کا کہا ہے۔ اس طرح سے دین کا جو پیروکار ان احکام کو دین کی حیثیت سے قبول کرتا ہے، وہ انہیں (اتباع رسول کے قرآنی) حکم کے تحت ہی قبول کرتا ہے۔

چوتھی قسم ان احکام کی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اجتہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور بالکل اس طریقے سے ان کی اطاعت کا امتحان لیا ہے جیسا کہ اس نے (قرآن و سنت کے) دیگر احکامات کے معاملے میں امتحان لیا ہے۔اللہ سبحانہ و تعالی کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ۔

ہم ضرور تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور یہ دیکھ لیں کہ تم میں سے مجاہد اور ثابت قدم کون لوگ ہیں۔(محمد 47:31)

وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ۔

(یہ تو اس لئے تھا) تاکہ اللہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے، اسے آزما لے اور تمہارے دلوں میں جو کھوٹ ہے اسے چھانٹ دے۔(ال عمران 3:154)

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ۔

قریب ہے وہ وقت جب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں حکومت عطا کرے، پھر دیکھے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو؟ (الاعراف 7:129)

مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کے لئے اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا:

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ۔

یہ تمہارے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔لو ہم تمہیں اسی قبلے کی طرف پھیر دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔اپنے چہرے کو مسجد الحرام کی طرف پھیر لو اور جہاں کہیں بھی تم ہو، اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرو۔(البقرہ 2:144)

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

تم جہاں سے بھی نکلو، اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو۔(البقرہ 2:149)

اللہ تبارک و تعالی نے انسان کو راہنمائی دی ہے کہ اگر مسجد الحرام ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو تو وہ اپنی عقل استعمال کر کے قبلے کا تعین کریں جو ان پر فرض کیا گیا ہے۔اسی عقل کے سہارے انسان زندگی گزارتا ہے اور اسی کے ذریعے متضاد چیزوں میں فرق کرتا ہے۔اللہ تعالی نے زمین پر ایسی نشانیاں مقرر کر دی ہیں (جن کی مدد سے قبلے کا تعین کیا جا سکتا ہے۔)یہ معاملہ اس سے مختلف ہے کہ اگر مسجد الحرام آنکھوں کے سامنے ہو تو اس کی طرف (بالکل صحیح طور پر متعین کر کے) رخ کیا جائے گا۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔

وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔(الانعام 6:97)

وَعَلامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ۔

اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامات رکھ دیں اور ستاروں کے ذریعے بھی تم راستہ معلوم کرتے ہو۔(النحل 16:16)

پہاڑ، رات، دن، مختلف مخصوص سمتوں سے چلنے والی ہوائیں جن کے نام مشہور ہیں، سورج، چاند، اور ستاروں کے طلوع و غروب کے مقام اور آسمان پر ان کی پوزیشن یہ سب ان علامات میں شامل ہیں۔

اللہ تعالی نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ قبلے کے تعین کے لئے اپنی عقل کو استعمال کرے۔جب انسان اپنی عقل کو استعمال کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کے خلاف غلط طرف رخ کرنے سے بچ جاتا ہے۔اس نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ مسجد الحرام اگر نظر نہ آ رہی ہو تو جس طرف چاہے، منہ کر کے نماز ادا کر لی جائے۔اللہ تعالی نے انسان کے لئے جو فیصلہ جاری کیا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے، " أَيَحْسَبُ الإِنسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى" یعنی "کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔" مہمل چھوڑ دینے سے مراد یہ ہے کہ اسے کسی چیز کا نہ تو حکم دیا جائے اور نہ ہی کسی چیز سے روکا جائے۔

اس بحث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دین کے کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کرے سوائے اس کے کہ عدالتی معاملات، حالت احرام میں شکار کے

جرمانے وغیرہ میں انسان اس طریقے سے استدلال کرے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔اسی طرح استحسان کی اجازت بھی صرف اسی صورت میں ہے جب کسی ملتے جلتے معاملے کے بارے میں پہلے سے دیے گئے فیصلے پر قیاس کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ دو اچھے کردار والے عادل مردوں سے گواہی دلوائیں۔اچھے کردار کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہو۔اسی سے اچھے اور برے کردار کا فرق واضح ہوتا ہے۔یہ بحث اپنے مناسب مقام پر آئے گی اور میں نے اسے بطور مثال واضح کیا ہے تاکہ ملتے جلتے حالات میں بھی اسے استعمال کیا جا سکے۔

بیان 1: ایسے احکام جنہیں قرآن ہی میں مزید واضح کر دیا گیا

بیت اللہ کی زیارت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

تم میں سے جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ اٹھانا چاہے، وہ حسب مقدور قربانی ادا کرے۔اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے ایام میں اور سات گھر پہنچ کر رکھے اور اس طرح سے دس پورے کر لے۔یہ رعایت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر مسجد الحرام کے پاس نہ ہوں۔(البقرۃ 2:196)

اس آیت میں جن لوگوں سے خطاب کیا گیا، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حج کے دوران تین دن کے روزے اور واپس آنے کے بعد میں سات دن کے روزے رکھنے کا مقصد دس روزے پورے کرنا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دس پورے کر لو۔اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اس سے مزید وضاحت ہو جائے یا پھر انہیں یہ بتانا مقصود ہے کہ تین اور سات کا مجموعہ دس ہوتا ہے۔جیسا کہ اس نے ایک اور مقام پر فرمایا:

وَوَاعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً۔

ہم نے موسیٰ کو تیس راتوں کے لئے طلب کیا اور بعد میں دس دن کا اس پر اضافہ کر دیا۔اس طرح اس کے رب کی مقرر کردہ مدت چالیس دن ہو گئی۔(الاعراف 7:142)

اس طریقے سے مخاطبین پر یہ واضح کر دیا گیا کہ تیس اور دس، چالیس ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں چالیس راتوں سے یا تو یہی مراد ہے جس پر ہم بات کر رہے ہیں کہ تیس اور دس، چالیس ہوتے ہیں اور یا پھر اس کا مقصد معنی کو مزید واضح کر دینا ہے۔ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. أَيَّاماً مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔

تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن سکو۔چند مقرر دنوں کے یہ روزے ہیں۔اگر تم میں سے کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی تعداد پوری کر لے۔(البقرہ 2:183-184)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول دینے والی ہیں۔اس لئے اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے وہ اس میں پورے مہینے کے روزے رکھے اور اگر کوئی مریض یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لے۔(البقرہ 2:185)

اللہ تعالیٰ نے انسان پر روزے فرض کئے اور یہ متعین کر دیا کہ روزے ایک مہینے کے لئے رکھنا ہوں گے۔ ایک مہینہ، دو لگاتار چاند کے نظر آنے کی درمیانی مدت کو کہتے ہیں جو کہ تیس یا انتیس دن ہو سکتی ہے۔ان دونوں آیات میں بیان کردہ قانون میں اوپر والی دونوں آیات کی طرح جو ہدایت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ پورے عدد کو صحیح طور پر بیان کر دیا جائے۔

ان آیات کی قرین قیاس تفسیر یہ ہے کہ سات اور تین کے عدد کو بیان کر دیا جائے، اور تیس اور دس کے عدد کو بیان کر دیا جائے۔اس طرح لوگ صحیح طور پر مجموعی عدد کو جان لیں جیسا کہ وہ رمضان کے مہینے کے بارے میں اس بات کو جانتے ہیں۔

بیان 2: ایسے احکام جنھیں واضح کرنے کی ضرورت نہیں

اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا۔

> جب تم نماز کے لئے اٹھو تو منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، سروں پر مسح کر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لو۔ اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ (المائدہ 5:6)

ولا جُنُباً إلا عابري سبيلٍ۔

حالت جنابت میں نماز کے قریب نہ جاؤ سوائے اس کے کہ راستے سے گزرنا ہو۔ (النسا 4:43)

ان آیات کے ذریعے اللہ تعالی نے وضو کی ایک جامع تعریف بیان کر دی ہے جس کے ذریعے ہم وضو کو استنجا اور غسل سے الگ ایک حکم کے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ یہاں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ منہ اور ہاتھوں کو کم از کم ایک مرتبہ دھونا ضروری ہے۔ اس حکم میں یہ واضح نہیں تھا کہ کیا انہیں ایک سے زیادہ مرتبہ بھی دھویا جا سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بات کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ وضو میں ایک بار دھونے کا حکم دیا لیکن آپ نے خود ان اعضا تین مرتبہ دھویا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ دھونا تو ضروری ہے اور تین مرتبہ دھونے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اسی طرح سنت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ استنجا کرنے کے لئے تین پتھر درکار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ وضو اور غسل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ ٹخنوں اور کہنیوں کو دھونا ضروری ہے۔ قرآن مجید کے متن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹخنوں کو پاؤں دھونے اور کہنیوں کو ہاتھ دھونے کے حکم میں شامل کیا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے (اس

کی وضاحت بھی فرمائی اور یہ بھی) فرمایا: "ان دھلی ایڑیوں کو آگ کا عذاب دیا جائے گا۔" اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پاؤں کو دھونا چاہیے نہ کہ ان کا مسح کرنا چاہیے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَلأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلأُمِّهِ السُّدُسُ۔

اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے اس کے ترکے کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی وارث ہوں تو ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے۔ اور اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حقدار ہو گی۔ (النسا 4:11)

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلالَةً أَوْ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ۔

تمہاری بیویوں نے جو کچھ ترکہ چھوڑا ہے، تمہارے لئے اس کا نصف حصہ ہے اگر وہ بے اولاد ہوں۔ اولاد ہونے کی صورت میں تم چوتھائی حصے کے حق دار ہو جبکہ میت کی کی گئی وصیت پوری کر دی گئی ہو اور اس پر واجب الادا قرض ادا کر دیا گیا ہو۔ وہ (بیویاں) تمہارے ترکے سے چوتھائی حصے کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہو گا اگر وصیت جو تم نے کی تھی، پوری کر دی جائے یا قرض جو تم نے چھوڑا تھا ادا کر دیا جائے۔ اگر وہ مرد و عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اس کا ایک بھائی یا بہن ہو، تو بھائی یا بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکے کے تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے جبکہ میت کی طرف سے کی گئی وصیت پوری کر دی جائے اور میت پر واجب الادا قرض ادا کر دیا جائے بشرطیکہ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ دانا و بینا اور نرم خو ہے۔ (النسا 4:12)

قرآن مجید کے ان واضح احکامات کے بعد دیگر تفصیلات غیر ضروری ہیں۔اللہ تعالی نے یہ شرط عائد کر دی ہے کہ ترکے کی تقسیم سے قبل وصیت پوری کی جائے اور قرض ادا کئے جائیں۔ یہ بات حدیث سے پتہ چلتی ہے کہ وصیت ترکے کے ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

بیان 3: ایسے احکام جن کی وضاحت سنت کے ذریعے کی گئی

اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا۔

بے شک نماز مومنین پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔۔(النساء 4:103)

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ۔

نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔(البقرۃ 2:43)

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ۔

اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو۔(البقرۃ 2:196)

یہ احکام نازل کرنے کے بعد اللہ تعالی نے اپنے رسول کی زبان سے نمازوں کی تعداد، اوقات اور ادائیگی، زکوۃ کی رقم اور اوقات، حج اور عمرہ کا طریقہ اور ان اعمال کی ادائیگی کب ضروری ہے اور کب نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث اس معاملے میں اتفاق بھی رکھتی ہیں اور کچھ اختلاف بھی۔اسی طرز کی اور مثالیں قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔

نوٹ: احادیث میں بسا اوقات بظاہر اختلاف نظر آتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حدیث روایت کرنے والے دو افراد بسا اوقات حدیث کا پس منظر بیان نہیں کر پاتے یا پھر دونوں احادیث مختلف مواقع سے متعلق ہوتی ہیں یا پھر کسی ایک صاحب غلط فہمی کی بنیاد پر بات کو کسی اور طرح بیان کر دیتے ہیں۔احادیث کو جمع کرنے اور اس کے پس منظر سے واقفیت حاصل کرنے سے یہ تعارض دور ہو جاتا ہے۔

بیان 4: سنت میں بیان کردہ احکام

البیان میں وہ تمام احکام بھی شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حدیث میں بیان فرما دیے اگرچہ یہ احکامات قرآن میں بیان نہ ہوئے ہوں۔ جیسا کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر اپنے جس احسان کا ذکر کیا ہے کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت ہے۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت کے بارے میں اللہ تعالی کا جو حکم بیان کیا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دین میں اس کی اہمیت کیا ہے؟ قرآن میں اللہ تعالی نے آپ کے جو فرائض بیان کئے ہیں وہ ان اقسام پر مشتمل ہیں:

پہلی قسم تو ان احکام پر مشتمل ہے جو کتاب اللہ میں اتنی وضاحت سے بیان کر دیے گئے ہیں کہ وحی کے نزول کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جن میں اللہ تعالی کی طرف سے ہم پر حکم کو اجمالاً فرض کر دیا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پوری جامعیت کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف سے یہ (تفصیلات) بیان کر دی ہیں کہ کوئی حکم کس طرح فرض ہے؟ کس پر فرض ہے؟ اس میں سے کب کسی حکم پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

تیسری قسم ان احکام پر مشتمل ہے جو اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت کے ذریعے متعین فرمائے۔ یہ احکام کتاب اللہ میں موجود نہیں ہیں۔

ان میں سے ہر قسم اللہ کے قانون کا بیان ہے۔

جو شخص اللہ تعالی کی کتاب، قرآن میں بیان کردہ احکامات پر عمل کرنے کو اپنے لئے مانتا ہے، اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکامات پر عمل کرنے کو بھی قبول کرے کیونکہ اس کا حکم کتاب اللہ میں موجود ہے۔ جو شخص بھی یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالی ہی کی طرف سے

مامور کئے گئے ہیں؛ اسے یہ بھی ماننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی خدا نے ہی ہم پر لازم کی ہے۔

جو فرائض اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں بیان ہوئے، انہیں مان لینا اس بات کو قبول کر لینا ہے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہی ہے۔جو کچھ وہ قبول کر رہا ہے اس میں اگر فروعی نوعیت کے کچھ اختلافات بھی ہوں جیسے حلال و حرام یا فرائض اور حدود میں اختلاف۔کسی بات کا حکم دیا یا کسی کو سزا دی جیسا کہ اس نے قرآن میں فرمایا ہے، **"لا یُسأل عما یفعل، وھم یسألون"** یعنی "اس (اللہ) سے یہ سوال نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کچھ کیوں کیا لیکن (اس کے ان بندوں) سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔"